سُورَةُ النَّاس

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

فہرست

نام:

قرآن مجید کی آخری دو سورتوں سورۃ الناس اور سورۃ الفلق کو مشترکہ طور پر مُعَوِّذَتَیْن کہا جاتا ہے۔

اگرچہ قرآن مجید کی یہ آخری دو سورتیں بجائے خود الگ الگ ہیں، اور مُصحَف میں الگ ناموں ہی سے لکھی ہوئی ہیں، لیکن ان کے درمیان باہم اتنا گہرا تعلق ہے، اور ان کے مضامین ایک دوسرے سے اتنی قریبی مناسبت رکھتے ہیں کہ ان کا ایک مشترک نام "مُعَوِّذَتَیْن" (پناہ مانگنے والی دو سورتیں) رکھا گیا ہے۔ امام بیہقی نے دلائل نبوت میں لکھا ہے کہ یہ نازل بھی ایک ساتھ ہی ہوئی ہیں، اسی وجہ سے دونوں کا مجموعی نام معوذتین ہے۔ ہم یہاں دونوں پر ایک ہی مضمون لکھ رہے ہیں کیونکہ ان سے متعلقہ مسائل و مباحث بالکل یکساں ہیں۔

زمانۂ نزول:

حضرت حسن بصری، عکرمہ، عطاء اور جابر بن زید کہتے ہیں کہ یہ سورتیں مکی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی ایک روایت یہی ہے۔ مگر ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ یہ مدنی ہیں اور یہی قول حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور قتادہ کا بھی ہے۔ اس دوسرے قول کو جو روایات تقویت پہنچاتی ہیں ان میں سے ایک مسلم، ترمذی، نسائی اور مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک روز مجھ سے فرمایا- الم تر اٰیاتٍ اُنزِلَت اللیلۃ، لم یُرَ مثلھن، اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ "تمہیں کچھ پتہ ہے کہ آج رات مجھ پر کیسی آیات نازل ہوئی ہیں؟ یہ بے مثل آیات ہیں۔ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہ حدیث اس بنا پر ان سورتوں کے مدنی ہونے کی دلیل ہے کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں

ایمان لائے تھے، جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی نے خود ان کے اپنے بیان سے نقل کیا ہے۔ دوسری روایات جو اس قول کی تقویت کی موجب بنی ہیں وہ ابن سعد، مُحیّ السُّنّہ بَغَوِی، امام نَسَفِی، امام بَہیقِی، حافظ ابن حَجَر، حافظ بدر الدین عَینی، عَبْد بن حُمیّد وغیر ہم کی نقل کردہ یہ روایات ہیں کہ جب مدینے میں یہود نے رسول اللہ ﷺ پر جادو کیا تھا اور اس کے اثر سے حضور ﷺ بیمار ہو گئے تھے اس وقت یہ سورتیں نازل ہوئی تھیں۔ ابن سعد نے واقدی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ یہ سنہ 7ھ کا واقعہ ہے۔ اسی بنا پر سفیان بن عُیَینَہ نے بھی ان سورتوں کو مدنی کہا ہے۔

لیکن جیسا کہ سورۃ الاخلاص کے مضمون میں بیان ہو چکا ہے کہ کسی سورۃ یا آیت کے متعلق جب یہ کہا جاتا ہے کہ وہ فلاں موقع پر نازل ہوئی تھی تو اس کا مطلب لازماً یہی نہیں ہوتا کہ وہ پہلی مرتبہ اسی موقع پر نازل ہوئی تھی، بلکہ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ ایک سورت یا آیت پہلے نازل ہو چکی تھی، اور پھر کوئی خاص واقعہ یا صورت حال پیش آنے پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسی کی طرف دوبارہ بلکہ کبھی کبھی بار بار حضور ﷺ کو توجہ دلائی جاتی تھی۔ ہمارے نزدیک ایسا ہی معاملہ معوذتین کا بھی ہے۔ ان کا مضمون صاف بتا رہا ہے کہ یہ ابتداءً مکہ میں اس وقت نازل ہوئی ہوں گی جب وہاں حضور ﷺ کی مخالفت خوب زور پکڑ چکی تھی۔ بعد میں جب مدینہ طیبہ میں منافقین، یہود، اور مشرکین کی مخالفت کے طوفان اٹھے تو حضور ﷺ کو پھر انہی دونوں سورتوں کے پڑھنے کی تلقین کی گئی جیسا کہ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی مندرجہ بالا روایت میں ذکر آیا ہے۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ پر جادو کیا گیا اور آپ ﷺ کی علالت مزاج نے شدت اختیار کی تو اللہ کے حکم سے جبریل علیہ السلام نے آکر پھر یہی سورتیں پڑھنے کی آپ ﷺ کو ہدایت کی۔ اس لیے ہمارے نزدیک ان مفسرین کا بیان ہی زیادہ معتبر ہے جو ان دونوں سورتوں کو مکی قرار دیتے ہیں۔ جادو کے معاملہ کے ساتھ ان کو مخصوص سمجھنے میں تو یہ امر بھی مانع ہے کہ اس کے ساتھ صرف سورۂ فلق کی

صرف ایک آیت وَمِنۡ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الۡعُقَدِ ہی تعلق رکھتی ہے، سورۂ فلق کی باقی آیات اور پوری سورۂ الناس کا اس معاملہ سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔

موضوع اور مضمون:

مکۂ معظمہ میں یہ دونوں سورتیں جن حالات میں نازل ہوئی تھیں وہ یہ تھے کہ اسلام کی دعوت شروع ہوتے ہی ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے گویا بِھڑوں کے چھتے میں ہاتھ ڈال دیا ہے۔ جوں جوں آپ ﷺ کی دعوت پھیلتی گئی، کفارِ قریش کی مخالفت بھی شدید ہوتی چلی گئی۔ جب تک اُنہیں یہ امید رہی کہ شاید وہ کسی طرح کی سودے بازی کر کے، یا بہلا پُھسلا کر آپ ﷺ کو اس کام سے باز رکھ سکیں گے، اُس وقت تک تو پھر بھی عَناد کی شدت میں کچھ کمی رہی۔ لیکن جب حضور ﷺ نے ان کو اس طرف سے بالکل مایوس کر دیا کہ آپ ﷺ ان کے ساتھ دین کے معاملہ میں کوئی مصالحت کرنے پر آمادہ ہو سکیں گے، اور سورۂ کافرون میں صاف صاف ان سے کہہ دیا گیا کہ جن کی بندگی تم کرتے ہو ان کی بندگی کرنے والا میں نہیں ہوں، اور جس کی بندگی میں کرتا ہوں اس کی بندگی کرنے والے تم نہیں ہو، اس لیے میر راستہ الگ ہے اور تمہارا راستہ الگ، تو کفار کی دشمنی اپنے عروج پر پہنچ گئی۔ خصوصیت کے ساتھ جن خاندانوں کے افراد (مردوں یا عورتوں، لڑکوں یا لڑکیوں) نے اسلام قبول کر لیا تھا ان کے دلوں میں تو حضور ﷺ کے خلاف ہر وقت بھٹیاں سلگتی رہتی تھیں۔ گھر گھر آپ ﷺ کو کوسا جا رہا تھا۔ خفیہ مشورے کیے جا رہے تھے کہ کسی وقت رات کو چھپ کر آپ ﷺ کو قتل کر دیا جائے تا کہ بنی ہاشم کو قاتل کا پتہ نہ چل سکے اور بدلہ نہ لے سکیں۔ آپ ﷺ کے خلاف جادو ٹونے کیے جا رہے تھے تا کہ آپ ﷺ یا تو وفات پا جائیں یا سخت بیمار پڑ جائیں، یا دیوانے ہو جائیں۔ شیاطین جن و انس ہر طرف پھیل گئے تھے تا کہ عوام کے دلوں میں آپ ﷺ کے خلاف اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور قرآن کے خلاف کوئی نہ کوئی وسوسہ ڈال دیں

جس سے لوگ بدگمان ہو کر آپ ﷺ سے دور بھاگنے لگیں۔ بہت سے لوگوں کے دلوں میں حسد کی آگ بھی جل رہی تھی، کیونکہ وہ اپنے سوا، یا اپنے قبیلے کے کسی آدمی کے سوا، دوسرے کسی شخص کا چراغ جلتے نہ دیکھ سکتے تھے۔ مثال کے طور پر، ابوجہل جس بنا پر رسول اللہ ﷺ کی مخالفت میں حد سے بڑھتا چلا جاتا تھا اس کی وجہ وہ خود یہ بیان کرتا ہے کہ ہمارا اور بنی عبد مناف (یعنی رسول اللہ ﷺ کے خاندان) کا باہم مقابلہ تھا۔ انہوں نے کھانے کھلائے تو ہم نے بھی کھلائے۔ انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی دیں۔ انہوں نے عطیے دیے تو ہم نے بھی دیے۔ یہاں تک کہ وہ اور ہم جب عزت و شرف میں برابر کی ٹکر ہو گئے تو اب وہ کہتے ہیں کہ ہم میں ایک نبی ہے جس پر آسمان سے وحی اترتی ہے۔ بھلا اس میدان میں ہم کیسے ان کا مقابلہ کرسکتے ہیں؟ خدا کی قسم ہم ہرگز اس کو نہ مانیں گے اور نہ اس کی تصدیق کریں گے۔ (ابنِ ہشام، جلد اول، ص 337-338)۔

ان حالات میں رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں طلوع صبح کے رب کی، تمام مخلوقات کے شر سے، رات کے اندھیرے اور جادوگروں اور جادوگرنیوں کے شر سے، اور حاسدوں کے شر سے۔ اور ان سے کہہ دو کہ میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے رب، انسانوں کے بادشاہ اور انسانوں کے معبود کی ہر اس وسوسہ انداز کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے اور لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے خواہ وہ شیاطین جن میں سے ہو یا شیاطین انس میں سے۔ یہ اسی طرح کی بات ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت فرمائی تھی جب فرعون نے بھرے دربار میں ان کے قتل کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مِّنْ کُلِّ مُتَکَبِّرٍ لَّا یُؤْمِنُ بِیَوْمِ الْحِسَابِ میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے ہر اس متکبر کے مقابلے میں جو روز حساب پر ایمان نہیں رکھتا۔ (سورۃ المؤمن: 27) وَاِنِّیْ عُذْتُ بِرَبِّیْ وَرَبِّکُمْ اَنْ تَرْجُمُوْنِ اور میں نے اپنے اور تمہارے رب کی پناہ لے لی ہے اس بات سے کہ تم مجھ پر حملہ آور ہو۔ (سورۃ الدخان: 20)

دونوں مواقع پر اللہ کے ان جلیل القدر پیغمبروں کا مقابلہ بڑی بے سر و سامانی کی حالت میں بڑے سر و سامان اور وسائل و ذرائع اور قوت و شوکت رکھنے والوں سے تھا۔ دونوں مواقع پر وہ طاقت ور دشمنوں کے آگے اپنی دعوت حق پر ڈٹ گئے درانحالیکہ ان کے پاس کوئی مادی طاقت ایسی نہ تھی جس کے بل پر وہ ان کا مقابلہ کر سکتے۔ اور دونوں مواقع پر انہوں نے دشمنوں کی دھمکیوں اور خطرناک تدبیروں اور معاندانہ چالوں کو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیا کہ تمہارے مقابلے میں ہم نے رب کائنات کی پناہ لے لی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ اولوالعزمی اور ثابق قدمی وہی شخص دکھا سکتا ہے جس کو یہ یقین ہو کہ اس رب کی طاقت سب سے بڑی طاقت ہے، اس کے مقابلے میں دنیا کی ساری طاقتیں ہیچ ہیں، اور اس کی پناہ جسے حاصل ہو اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہی یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کلمہ حق کے اعلان سے ہرگز نہیں ہٹوں گا، تم جو چاہو کر لو، مجھے اس کی کوئی پروا نہیں، کیونکہ میں تمہارے اور اپنے اور ساری کائنات کے رب کی پناہ لے چکا ہوں۔

معوذتین کی قرآنیت:

اتنی بحث ہی کافی ہے جو اوپر کی جا چکی ہے۔ لیکن چونکہ حدیث و تفسیر کی کتابوں میں اِن کے متعلق تین ایسے مباحث آگئے ہیں جو دلوں میں شبہات پیدا کر سکتے ہیں، اس لیے ہم اُن کو بھی صاف کر دینا ضروری سمجھتے ہیں۔

ان میں سے اولین قابلِ توجہ مسئلہ یہ ہے کہ آیا اِن دونوں سورتوں کا قرآنی سورتیں ہونا قطعی طور پر ثابت ہے، یا اس میں کسی شک کی گنجائش ہے؟ یہ سوال اِس لیے پیدا ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے عظیم المرتبہ صحابی سے متعدد روایتوں میں یہ بات منقول ہوئی ہے کہ وہ اِن دونوں سورتوں کو قرآن کی سورتیں نہیں مانتے تھے اور اپنے مُصحف سے اُنہوں نے اِن کو ساقط کر دیا تھا۔ امام احمد، بزار، طبرَانی، ابن مَردویہ، ابویَعلی، عبد اللہ بن احمد بن حنبل، حُمَیدی، ابو نُعیم، ابن حبان، وغیرہ محدثین نے مختلف

سندوں سے اور اکثر و بیشتر صحیح سندوں سے یہ بات حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے۔ اِن روایات میں نہ صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ اِن سورتوں کو مصحف سے ساقط کر دیتے تھے، بلکہ یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے تھے "قرآن کے ساتھ وہ چیزیں نہ ملاؤ جو قرآن کا جُز نہیں ہیں۔ یہ دونوں قرآن میں شامل نہیں ہیں۔ یہ تو ایک حکم تھا جو نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو دیا گیا تھا کہ آپ اِن الفاظ میں خدا کی پناہ مانگیں۔" بعض روایات میں اِس پر یہ اضافہ بھی ہے کہ وہ اِن سورتوں کو نماز میں نہیں پڑھتے تھے۔

اِن روایات کی بنا پر مخالفین اِسلام کو قرآن کے بارے میں یہ شبہات اُبھارنے کا موقع مل گیا کہ معاذ اللہ یہ کتاب تحریف سے محفوظ نہیں ہے بلکہ اِس میں جب دو سورتیں ابن مسعود رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کے بیان کے مطابق اِلحاقی ہیں تو نہ معلوم اور کیا کیا حذف و اضافے اِس کے اندر ہوئے ہوں گے۔ اِس طعن سے پیچھا چھڑانے کے لیے قاضی ابو بکر الباقلانی اور قاضی عِیاض وغیرہ نے یہ تاویل کی کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ مُعوذتین کی قرآنیت کے منکر نہ تھے بلکہ صرف ان کو مُصحَف میں درج کرنے سے انکار کرتے تھے، کیونکہ اُن کے نزدیک مُصحف میں صرف وہی چیز درج کی جانی چاہیے تھی جس کے ثبت کرنے کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی ہو، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ تک یہ اطلاع نہ پہنچی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اجازت دی ہے۔ لیکن یہ تاویل درست نہیں ہے، کیونکہ صحیح سندوں کے ساتھ یہ بات ثابت ہے کہ ابن مسعود نے اِن کے قرآنی سورتیں ہونے کا انکار کیا ہے۔ کچھ دوسرے بزرگوں، مثلاً امام نَووی، امام ابن حَزم اور امام فخر الدین رازی نے سرے سے اِس بات ہی کو جھوٹ اور باطل قرار دیا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایسی کوئی بات نہیں کہی ہے۔ مگر مستند تاریخی حقائق کو بلا سند رد کر دینا کوئی علمی طریقہ نہیں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ابن مسعودؓ کی اِن روایات سے قرآن پر جو طعن وارد ہوتا ہے اس کا صحیح رد کیا ہے؟ اِس سوال کے کئی جواب ہیں جن کو ہم سلسلہ وار درج کرتے ہیں:

(1) حافظ بزار نے اپنی مُسند میں ابن مسعود کی یہ روایات نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ اپنی اِس رائے میں وہ بالکل منفرد ہیں۔ صحابہ میں سی کسی نے بھی اُن کے اِس قول کی تائید نہیں کی ہے۔

(2) تمام صحابہ کے اتفاق سے خلیفہ ثالث سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے قرآن مجید کے جو نسخے مرتّب کروائے تھے اور خلافتِ اسلامیہ کی طرف سے جن کو دنیائے اسلام کے مراکز میں سرکاری طور پر بھیجا تھا اُن میں یہ دونوں سورتیں درج تھیں۔

(3) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے آج تک تمام دنیائے اسلام کا جس مُصحَف پر اِجماع ہے اُس میں یہ دونوں سورتیں درج ہیں۔ تنہا عبد اللہ بن مسعود کی رائے، اُن کی جلالت قدر کے باوجود، اِس عظیم اِجماع کے مقابلے میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔

(4) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت صحیح و معتبر احادیث کے مطابق یہ ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے ان سورتوں کو نماز میں خود پڑھا ہے، دوسروں کو پڑھنے کی ہدایت فرمائی ہے اور قرآن کی سورتوں کی حیثیت ہی سے لوگوں کو اِن کی تعلیم دی ہے۔ مثال کے طور پر ذیل کی احادیث ملاحظہ ہوں:

مسلم، احمد، ترمِذی، اور نَسائی کے حوالہ سے حضرت عُقبہ رضی اللہ عنہ بن عامِر کی یہ روایت ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ فَلَق اور سورہ ناس کے متعلق اُن سے یہ فرمایا کہ آج رات یہ آیات مجھ پر نازل ہوئی ہیں۔ نَسائی کی ایک روایت عُقبہ بن عامر سے یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دونوں سورتیں صبح کی نماز میں پڑھیں۔ ابن حِبّان نے اِنہی حضرت عُقبہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا "اگر ممکن ہو تو تمہاری نمازوں سے اِن دونوں سورتوں کی قراءت چھوٹنے نہ پائے۔" سعید بن منصور نے حضرت مُعاذ بن جبَل سے روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز میں یہ دونوں سورتیں پڑھیں۔ امام احمد نے اپنی مُسند میں صحیح سند کے ساتھ ایک اور صحابی کی یہ روایت لائے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا جب تم نماز پڑھو تو اس میں یہ

دونوں سورتیں پڑھا کرو۔ مُسند احمد، ابو داوٗد اور نَسائی میں عُقبہ بن عامر کی یہ روایت آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے فرمایا"کیا میں دو ایسی سورتیں تمہیں نہ سکھاؤں جو اُن بہترین سورتوں میں سے ہیں جنہیں لوگ پڑھتے ہیں؟" انہوں نے عرض کیا ضرور یا رسول اللہ۔ اس پر حضور ﷺ نے ان کو یہی معوّذ تین پڑھائیں۔ پھر نماز کھڑی ہوئی تو حضور ﷺ نے یہی دو سورتیں اس میں بھی پڑھیں۔ اور نماز کے بعد پلٹ کر جب آپ ﷺ اُن کے پاس سے گزرے تو فرمایا"اے عُقبہ، کیسا پایا تم نے؟" اور اس کے بعد اُن کو ہدایت فرمائی کہ جب تم سونے لگو اور جب سو کر اٹھو تو اِن سورتوں کو پڑھا کرو۔ مُسند احمد، ابو داوٗد، تِرمِذی اور نَسائی میں عُقبہ بن عامر کی ایک روایت یہ ہے کہ حضور ﷺ نے ان کو ہر نماز کے مُعوّذات (یعنی قل ہو اللہ احد اور معوّذ تین) پڑھنے کی تلقین کی۔ نَسائی، ابن مَرْدُویہ اور حاکم نے عُقبہ بن عامر کی یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ سواری پر چلے جا رہے تھے اور میں آپ ﷺ کی قدمِ مبارک پر ہاتھ رکھے ہوئے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ میں نے عرض کیا مجھے سورہ ہود یا سورہ یوسف سکھا دیجئے۔ فرمایا" اللہ کے نزدیک بندے کے لیے قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ﴿۱﴾ سے زیادہ نافع کوئی چیز نہیں ہے۔" عبد اللہ بن عابِس الجُہنی کی روایت نَسائی، بیہقی، بَغَوی اور ابن سعد نے نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا "ابن عابِس، کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ پناہ مانگنے والوں نے جتنی چیزوں کے ذریعہ سے اللہ کی پناہ مانگی ہے ان میں سب سے افضل کونسی چیزیں ہیں؟" میں نے عرض کیا ضرور یا رسُول اللہ۔ فرمایا قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ یہ دونوں سورتیں۔" ابن مَردُویہ نے حضرت ام سَلَمہ کی روایت نقل کی ہے کہ اللہ کو جو سورتیں سب سے زیادہ پسند ہیں قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ اور قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ہیں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود کو یہ غلط فہمی آخر کیسے لاحق ہوئی کہ یہ دونوں قرآن مجید کی سورتیں نہیں ہیں؟ اِس کا جواب ہمیں دو روایتوں کو جمع کر کے دیکھنے سے ملتا ہے۔ ایک ایک یہ روایت کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کہتے تھے کہ یہ تو ایک حکم تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا تھا کہ آپ ﷺ اِس طرح تعوّذ کیا کریں۔ دوسری وہ روایت جو کئی مختلف سندوں سے امام بخاری نے صحیح البخاری میں، امام احمد نے اپنی مُسند میں، ابو نُعیم نے اپنی المُستخرَج میں اور نَسائی نے اپنی سُنَن میں زِر بن حُبَیش کے حوالے سے تھوڑے تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ حضرت اُبَی بن کعب سے، جو علم قرآن کے لحاظ سے صحابہ کرام میں ایک ممتاز مقام رکھتے تھے، زِر بن حُبَیش کا بیان ہے کہ میں نے حضرت اُبَی سے کہا کہ آپ کے بھائی عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود ایسا اور ایسا کہتے ہیں۔ آپ ان کے اس قول کے متعلق کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے رسول ﷺ سے اس اِس کے بارے میں سوال کیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھ سے کہا گیا قل، تو میں نے بھی کہا قُل۔ اس لیے ہم بھی اُسی طرح کہتے تھے جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہتے تھے۔" امام احمد کی روایت میں حضرت اُبَی کے الفاظ یہ ہیں: "میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے آپ ﷺ سے قل اعوذ برب الفلق کہا تھا اس لیے آپ ﷺ نے بھی ایسا ہی کہا، اور انہوں نے قل اعوذ برب الناس کہا تھا اس لیے آپ ﷺ نے بھی ایسا ہی کہا۔ لہٰذا ہم بھی اُسی طرح کہتے ہیں جس طرح حضور ﷺ نے کہا۔" اِن دونوں روایتوں پر غور کیجیے تو معلوم ہو گا کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود کو دونوں سورتوں میں لفظ قُل (کہو) دیکھ کر یہ غلط فہمی ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ کو اَعوذُ برب الفلق اور اَعوذ برب الناس کہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ لیکن انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اِس کے متعلق سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ حضرت اُبَی بن کعب کے ذہن میں بھی اِس کے متعلق سوال پیدا ہوا اور انہوں نے حضور ﷺ سے اِس کو پوچھ لیا۔ حضور ﷺ نے بتایا کہ جبریل علیہ السلام نے چونکہ قُل کہا تھا اس لیے میں بھی قُل کہتا

ہوں۔ اس بات کو یوں سمجھیے کہ اگر کسی کو حکم دینا مقصود ہو اور اس سے کہا جائے کہ ”کہو‘ میں پناہ مانگتا ہوں ،“ تو وہ حکم کی تعمیل میں یہ نہیں کہے گا کہ ”کہو‘ میں پناہ مانگتا ہوں“ بلکہ وہ ”کہو“ کا لفظ ساقط کر کے ”میں پناہ مانگتا ہوں“ اور کہے گا۔ بخلاف اس کے اگر کسی کو بالا دست حاکم کا پیغام بر اِن الفاظ میں پیغام پہنچائے کہ " کہو، میں پناہ مانگتا ہوں" اور یہ پیغام اُسے اپنے تک رکھنے کے لیے نہیں بلکہ دوسروں تک پہنچانے کے لیے دیا جائے تو وہ لوگوں تک پیغام کے الفاظ کو جوں کا توں پہنچائے گا، اُس میں سے کوئی چیز ساقط کرنے کا مجاز نہ ہو گا۔ پس ان دونوں سورتوں کی ابتدا لفظ قُل سے ہونا اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ یہ کلامِ وحی ہے جسے حضور ﷺ اُنہی الفاظ میں پہنچانے کے پابند تھے جن الفاظ میں یہ آپ کو ملا تھا۔ اِس کی حیثیت محض ایک حکم کی نہ تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا ہو۔ قرآن مجید میں اِن دو سورتوں کے علاوہ 330 آیتیں ایسی ہیں جو لفظ قُل (کہو) سے شروع ہوئی ہیں۔ ان سب میں قُل کا ہونا اس بات کی علامت ہے کہ یہ کلامِ وحی ہے جسے اُنہی الفاظ میں پہچانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ فرض تھا جن الفاظ میں یہ آپ ﷺ پر نازل کیا گیا تھا۔ ورنہ ہر جگہ قُل اگر ایک حکم ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لفظ کو ساقط کر کے وہ بات کہتے جس جس کے کہنے کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا، اور اسے قرآن میں درج نہ کیا جاتا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اِس حکم کی تعمیل میں وہ بات کہہ دینے پر اکتفا فرماتے جسے کہنے کا آپ ﷺ کو حکم دیا گیا تھا۔

اس مقام پر اگر آدمی کچھ غور کرے تو اُس کی سمجھ میں یہ بات اچھی طرح آسکتی ہے کہ صحابہ کرام کو بے خطا سمجھنا اور اُن کی کسی بات کے لیے غلط کا لفظ سنتے ہی توہین صحابہ کا شور مچادینا کس قدر بے جا حرکت ہے۔ یہاں آپ دیکھ رہے کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود جیسے جلیل القدر صحابی سے قرآن کی دو سورتوں کے بارے میں کتنی بڑی چُوک ہو گئی۔ ایسی چوک اگر اِتنے عظیم مرتبہ کے صحابی سے ہو سکتی ہے تو دوسروں سے بھی کوئی چوک ہو جانی ممکن ہے۔ ہم علمی تحقیق کے لیے اُس کی چھان بین بھی کر سکتے ہیں، اور کسی صحابی کی کوئی بات یا چند باتیں غلط ہوں تو انہیں غلط بھی کہہ سکتے ہیں۔ البتہ سخت ظالم ہو گا وہ شخص جو غلط کو غلط کہنے

سے آگے بڑھ کر اُن پر زبانِ طعن دراز کرے۔ اِنہی مُعوِّذتین کے بارے میں مفسرین و محدثین نے ابن مسعود کی رائے کو غلط کہا ہے، مگر کسی نے یہ کہنے کی جرأت نہیں کی کہ قرآن کی دو سورتوں کا انکار کر کے معاذ اللہ وہ کافر ہو گئے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونا:

دوسرا مسئلہ جو اِن سورتوں کے معاملہ میں پیدا ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ روایات کی رُو سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا تھا، اور اس کے اثر سے آپ ﷺ بیمار ہو گئے تھے، اور اس اثر کو دور کرنے کے لیے جبریل علیہ السلام نے آکر آپ ﷺ کو یہ سورتیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی۔ اِس پر قدیم اور جدید زمانے کے بہت سے عقلیت پسندوں نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایات اگر مان لی جائیں تو شریعت ساری کی ساری مُشتبہ ہو جاتی ہے۔ کیونکہ اگر نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا تھا، اور اِن روایات کی رُو سے ہو گیا تھا، تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ مخالفین نے جادو کے زور پر نبی سے کیا کیا کہلوا اور کروالیا ہو، اور اُس کی دی ہوئی تعلیم میں کتنی چیزیں خدا کی طرف سے ہوں اور کتنی جادو کے زیرِ اثر۔ یہی نہیں بلکہ وہ کہتے ہیں کہ اس بات کو سچ مان لینے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ جادو ہی کے ذریعہ سے نبی کو نبوت کے دعوے پر اُکسایا گیا ہو اور نبی نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر یہ سمجھ لیا ہو کہ اُس کے پاس فرشتہ آیا ہے۔ اُن کا استدلال یہ بھی ہے کہ یہ احادیث قرآن مجید سے متصادم ہیں۔ قرآن میں تو کُفّار کا یہ الزام بیان کیا گیا ہے کہ نبی ایک مسحور، یعنی سحر زدہ آدمی ہے (یَقُولُ الظّٰلِمُوْنَ اِنۡ تَتَّبِعُوۡنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسۡحُوۡرًا۔ بنی اسرائیل 27) مگر یہ احادیث کفار کے الزام کی تصدیق کرتی ہیں کہ واقعی نبی پر سحر کا اثر ہوا تھا۔

اِس مسئلے کی تحقیق کے لیے ضروری ہے کہ سب سے پہلے یہ دیکھا جائے کہ کیا در حقیقت مستند تاریخی روایات کی رو سے یہ ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہوا تھا؟ اور اگر ہوا تھا تو وہ کیا تھا

اور کس حد تک تھا؟ اس کے بعد یہ دیکھا جائے کہ جو کچھ تاریخ سے ثابت ہے اس پر وہ اعتراضات وارد بھی ہوتے ہیں یا نہیں جو کئے گئے ہیں؟

قُرونِ اولیٰ کے مسلمان علماؒ کی یہ انتہائی راستبازی تھی کہ انہوں نے اپنے خیالات اور مزعومات کے مطابق تاریخ کو مسخ کرنے یا حقائق پر پردہ ڈالنے کی کوئی کوشش نہیں کی، بلکہ جو کچھ تاریخی طور پر ثابت تھا اسے جوں کا توں بعد کی نسلوں تک پہنچا دیا اور اِس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ اِن حقائق سے اگر کوئی اُلٹے نتائج نکالنے پر اتر آئے تو اُن کا فراہم کردہ یہ مواد کس طرح اُس کے کام آسکتا ہے۔ اب اگر ایک بات نہایت مستند اور کثیر تاریخی ذرائع سے ثابت ہو تو کسی دیانت دار صاحبِ علم کے لیے نہ تو یہ درست ہے کہ وہ اِس تاریخ کا انکار کر دے کہ اُس کو مان لینے سے اُس کے نزدیک فلاں فلاں قباحتیں رُونما ہوتی ہیں، اور نہ یہی درست ہے کہ جتنی بات تاریخ سے ثابت ہے اس کو قیاسات کے گھوڑے دوڑا کر اُس کی اصلی حد سے پھیلانے اور بڑھانے کی کوشش کرے۔ اس کے بجائے اُس کا کام یہ ہے کہ تاریخ کو تاریخ کی حیثیت سے مان لے اور پھر دیکھے کہ اُس سے فی الواقع کیا ثابت ہوتا ہے اور کیا نہیں ہوتا۔

جہاں تک تاریخی حیثیت کا تعلق ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کا اثر ہونے کا واقعہ قطعی طور پر ثابت ہے اور علمی تنقید سے اُس کو اگر غلط ثابت کیا جاسکتا ہو تو پھر دنیا کا کوئی تاریخی واقعہ بھی صحیح ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ اسے حضرت عائشہ (رض)، حضرت زید بن اَرقَم اور حضرت عبداللہ بن عباس سے بخاری، مسلم، نسائی، ابن ماجہ، امام احمد، عبدالرزاق، حُمَیدی، بیہقی، طبرانی، ابن سعد، ابن مردویہ، ابن ابی شَیبہ، حاکم، عبد بن حمید وغیرہ محدثین نے اِتنی مختلف اور کثیر التعداد سندوں سے نقل کیا ہے کہ اُس کا نفسِ مضمون تواتر کی حد کو پہنچا ہوا ہے' اگرچہ ایک ایک روایت بجائے خود خبرِ واحد ہے، اِس کی تفصیلات جو روایات میں آئی ہیں انہیں ہم مجموعی طور پر تمام روایات سے مرتب کر کے ایک مربوط واقعہ کی صورت میں یہاں درج کرتے ہیں۔

صلح حدیبیہ کے بعد جب نبی ﷺ مدینہ واپس تشریف لائے تو محرم 7ھ میں خیبر سے یہودیوں کا ایک وفد مدینہ آیا اور ایک مشہور جادوگر لبید بن اَعصم سے ملا جو انصار کے قبیلہ بنی زُرَیق سے تعلق رکھتا تھا[1]۔ بعض راویوں نے اُسے یہودی کہا ہے، اور بعض نے منافق اور یہود کا حلیف۔ لیکن اس پر سب متفق ہیں کہ وہ بنی زُریق میں سے تھا، اور یہ سب کو معلوم ہے کہ بنی زُریق یہودیوں کا کوئی قبیلہ نہ تھا بلکہ خَزْرج میں سے انصار کا ایک قبیلہ تھا۔ اس لیے یا تو وہ اُن لوگوں میں سے تھا جو اہلِ مدینہ میں سے یہودی ہو گئے تھے، یا یہود کا حلیف ہونے کی بنا پر بعض لوگوں نے اسے بھی یہودی شمار کر لیا۔ تاہم اس کے لیے منافق کا لفظ استعمال ہونے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ بظاہر وہ مسلمان بنا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے اُس سے کہا کہ محمد ﷺ نے ہمارے ساتھ جو کچھ کیا ہے وہ تمہیں معلوم ہے۔ ہم نے اُن پر بہت جادو کرنے کی کوشش کی، مگر کوئی کامیابی نہیں ہوئی۔ اب ہم تمہارے پاس آئے ہیں، کیونکہ تم ہم سے بڑے جادوگر ہو۔ لو، یہ تین اشرفیاں حاضر ہیں، اِنہیں قبول کرو اور محمد ﷺ پر ایک زور کا جادو کر دو۔ اُس زمانے میں حضور ﷺ کے ہاں ایک یہودی لڑکا خدمت گار تھا۔ اُس سے ساز باز کر کے اِن لوگوں نے حضور ﷺ کی کنگھی کا ایک ٹکڑا حاصل کر لیا جس میں آپ ﷺ کے موئے مبارک تھے۔ انہی بالوں اور کنگھی کے دندانوں پر جادو کیا گیا۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ لَبِید بن اَعصم نے خود جادو کیا تھا، اور بعض میں یہ ہے کہ اس کی بہنیں اس سے زیادہ جادوگرنیاں تھیں، اُن سے اُس نے جادو کروایا تھا۔ بہر حال ان دونوں صورتوں میں جو صورت بھی ہو، اس جادو کو ایک نَر کھجور کے خوشے کے غلاف[2] ابتدا میں کھجور کا خوشہ ایک غلاف کے اندر ہوتا ہے۔ اور نر کھجور کے غلاف کا رنگ انسان کے رنگ سے ملتا جلتا ہوتا ہے۔ اور اس کی بو انسان کے مادہ منویہ جیسی ہوتی ہے میں رکھ کر لَبِید نے بَنی زُرَیق کے کنویں ذروان یا ذی اَرْوان نامی کی تہ میں ایک پتھر کے نیچے دبا دیا۔ اس جادو کا اثر نبی ﷺ پر ہوتے ہوتے پورا ایک سال لگا، دوسری ششماہی میں کچھ تغیّرِ مزاج محسوس ہونا شروع ہوا، آخری چالیس دن سخت، اور آخری تین دن زیادہ سخت گزرے۔ مگر اس کا زیادہ سے زیادہ جو اثر حضور

ﷺ پر ہوا، وہ بس یہ تھا کہ آپ ﷺ گھلتے چلے جارہے تھے۔ کسی کام کے متعلق خیال فرماتے کہ وہ کر لیا ہے مگر نہیں کیا ہوتا تھا، اپنی ازواج کے متعلق خیال فرماتے کہ آپ ﷺ ان کے پاس گئے ہیں مگر نہیں گئے ہوتے تھے، اور بعض اوقات آپ ﷺ کو اپنی نظر پر بھی شبہ ہوتا تھا کہ کسی چیز کو دیکھا ہے مگر نہیں دیکھا ہوتا تھا۔ یہ تمام اثرات آپ ﷺ کی ذات تک محدود رہے، حتیٰ کہ دوسرے لوگوں کو یہ معلوم تک نہ ہوسکا کہ آپ ﷺ پر کیا گزر رہی ہے۔ رہی آپ ﷺ کے نبی ہونے کی حیثیت تو اُس میں آپ ﷺ کے فرائض کے اندر کوئی خلل واقع نہ ہونے پایا۔ کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ اُس زمانے میں آپ ﷺ قرآن کی کوئی آیت بھول گئے ہوں، یا کوئی آیت آپ ﷺ نے غلط پڑھ ڈالی ہو، یا اپنی صحبتوں میں اور اپنے وعظوں اور خطبوں میں آپ ﷺ کی تعلیمات کے اندر کوئی فرق واقع ہو گیا ہو، یا کوئی ایسا کلام آپ ﷺ نے وحی کی حیثیت سے پیش کر دیا ہو جو فی الواقع آپ ﷺ پر نازل نہ ہوا ہو، یا نماز آپ ﷺ سے چھوٹ گئی ہو اور اس کے متعلق بھی کبھی آپ ﷺ نے سمجھ لیا ہو کہ پڑھ لی ہے مگر نہ پڑھی ہو۔ ایسی کوئی بات معاذ اللہ پیش آجاتی تو دھوم مچ جاتی، اور پورا ملکِ عرب اِس سے واقف ہو جاتا کہ جس نبی کو کوئی طاقت چت نہ کرسکی تھی اسے ایک جادوگر کے جادو نے چِت کر دیا۔ لیکن آپ ﷺ کی حیثیتِ نبوت اِس سے بالکل غیر متاثر رہی اور صرف اپنی ذاتی زندگی میں آپ ﷺ اپنی جگہ اِسے محسوس کر کے پریشان ہوتے رہے۔ آخر کار ایک روز آپ ﷺ حضرت عائشہ کے ہاں تھے کہ آپ ﷺ نے بار بار اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ اسی حالت میں نیند آگئی یا غنودگی طاری ہوئی اور پھر بیدار ہو کر آپ ﷺ نے حضرت عائشہ سے کہا کہ میں نے جو بات اپنے رب سے پوچھی تھی وہ اس نے مجھے بتادی ہے۔ حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا دو آدمی (یعنی فرشتے دو آدمیوں کی صورت میں) میرے پاس آئے۔ ایک سرہانے کی طرف تھا اور دوسرا پائینتی کی طرف۔ ایک نے پوچھا اِنہیں کیا ہوا؟ دوسرے نے جواب دیا اِن پر جادو ہوا ہے۔ اُس نے پوچھا کس نے کیا ہے؟ جواب دیا لَبِید بن اَعْصَم نے۔ پوچھا کس چیز میں کیا ہے؟ جواب

دیا کنگھی اور بالوں میں ایک نر کھجور کے خوشے کے غلاف کے اندر۔ پوچھا وہ کہاں ہے؟ جواب دیا بنی زُریق کے کنویں ذی اَرُوان (یا ذَرُوان) کی تہ کے پتھر کے نیچے ہے۔ پوچھا اب اس کے لیے کیا کیا جائے؟ جواب دیا کہ کنویں کا پانی سونت دیا جائے اور پھر پتھر کے نیچے سے اُس کو نکالا جائے۔ اس کے بعد نبی ﷺ نے حضرت علی، حضرت عمار بن یاسر اور حضرت زبیر کو بھیجا۔ ان کے ساتھ جُبَیر بن ایاس الزرقی اور قیس بن مِحصن الزرقی (یعنی بنی زریق کے یہ دو اصحاب) بھی شامل ہو گئے۔ بعد میں حضور ﷺ خود بھی چند اصحاب کے ساتھ وہاں پہنچ گئے۔ پانی نکالا گیا اور وہ غلاف بر آمد کر لیا گیا۔ اُسمیں کنگھی اور بالوں کے ساتھ ایک تانت کے اندر گیارہ گرہیں پڑھی ہوئی تھیں اور موم کا ایک پُتلا تھا جس میں سوئیاں چُبھوئی ہوئی تھیں۔ جبریلؑ نے آکر بتایا کہ آپ ﷺ معوِّذتین پڑھیں۔ چنانچہ آپ ﷺ ایک ایک آیت پڑھتے جاتے اور اس کے ساتھ ایک ایک گرہ کھولی جاتی اور پتلے میں سے ایک ایک سوئی نکالی جاتی رہی۔ خاتمہ تک پہنچتے ہی ساری گرہیں کھل گئیں، ساری سوئیاں نکل گئیں، اور آپ ﷺ جادو کے اثر سے نکل کر بالکل ایسے ہو گئے جیسے کوئی شخص بندھا ہوا تھا، پھر کھل گیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے لَبید کو بلا کر باز پرس کی۔ اُس نے اپنے قصور کا اعتراف کر لیا اور آپ ﷺ نے اس کو چھوڑ دیا، کیونکہ اپنی ذات کے لیے آپ ﷺ نے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ نے اِس معاملہ کا چرچا کرنے سے بھی یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ مجھے اللہ نے شفا دی ہے۔ اب میں نہیں چاہتا کہ کسی کے خلاف لوگوں کو بھڑکاؤں۔

یہ ہے سارا قصہ اس جادو کا۔ اِس میں کوئی چیز ایسی نہیں ہے جو آپ ﷺ کے منصبِ نبوّت میں قادِح ہو۔ ذاتی حیثیت سے اگر آپ ﷺ کو زخمی کیا جا سکتا تھا جیسا کہ جنگِ اُحد میں ہوا، اگر آپ ﷺ گھوڑے سے گِر کر چوٹ کھا سکتے تھے، جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے، اگر آپ ﷺ کو بچھو کاٹ سکتا تھا، جیسا کہ کچھ اور احادیث میں وارد ہوا ہے، اور اِن میں سے کوئی چیز بھی اُس تحفظ کے مُنافی نہیں ہے جس کا نبی ہونے کی حیثیت سے اللہ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا تھا، تو آپ ﷺ اپنی ذاتی حیثیت میں جادو کے اثر سے بیمار بھی

ہوسکتے تھے۔ نبی پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے، یہ بات تو قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ سورہ اعراف میں فرعون کے جادوگروں کے متعلق بیان ہوا ہے کہ حضرت موسیٰ کے مقابلے میں جب وہ آئے تو اُنہوں نے ہزارہا آدمیوں کے اُس پورے مجمع کی نگاہوں پر جادو کر دیا جو وہاں دونوں کا مقابلہ دیکھنے کے لیے جمع ہوا تھا (سَحَرُوۡۤا اَعۡیُنَ النَّاسِ۔ آیت 116) اور سورہ طٰہٰ میں ہے کہ جو لاٹھیاں اور رسیاں انہوں نے پھینکی تھیں ان کے متعلق عام لوگوں ہی نے نہیں حضرت موسی نے بھی یہی سمجھا کہ وہ اُن کی طرف سانپوں کی طرح دوڑی چلی آرہی ہیں اور اس سے حضرت موسیٰ خوف زدہ ہو گئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی کہ خوف نہ کرو تم ہی غالب رہو گے، ذرا اپنا عصا پھینکو قَالَ بَلۡ اَلۡقُوۡا ۚ فَاِذَا حِبَالُهُمۡ وَ عِصِيُّهُمۡ يُخَيَّلُ اِلَيۡهِ مِنۡ سِحۡرِهِمۡ اَنَّهَا تَسۡعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوۡجَسَ فِىۡ نَفۡسِهٖ خِيۡفَةً مُّوۡسٰى ﴿۶۷﴾ قُلۡنَا لَا تَخَفۡ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡاَعۡلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلۡقِ مَا فِىۡ يَمِيۡنِكَ تَلۡقَفۡ مَا صَنَعُوۡا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوۡا كَيۡدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفۡلِحُ السّٰحِرُ حَيۡثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾ آیات 66 تا 69۔ رہا یہ اعتراض کہ یہ تو کفارِ مکہ کے اس الزام کی تصدیق ہو گئی کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو وہ سحر زدہ آدمی کہتے تھے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ کفار آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو سحر زدہ آدمی اِس معنی میں نہیں کہتے تھے کہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کسی جادوگر کے اثر سے بیمار ہو گئے ہیں، بلکہ اِس معنی میں کہتے تھے کہ کسی جادوگر نے معاذ اللہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم کو پاگل کر دیا ہے اور اِسی پاگل پن میں آپ نبوت کا دعویٰ کر بیٹھے ہیں اور جنت ودوزخ کے افسانے سنا رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ یہ اعتراض ایسے معاملہ پر سرے سے چسپاں ہی نہیں ہوتا جس کے متعلق تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ جادو کا اثر صرف ذات محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم پر ہوا تھا، نبوت محمد صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم اس سے بالکل غیر متاثر رہی۔

اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ جو لوگ جادو کو محض اَوہام کے قبیل کی چیز قرار دیتے ہیں اُن کی یہ رائے صرف اِس وجہ سے ہے کہ جادو کے اثرات کی کوئی سائنٹفک توجیہ نہیں کی جاسکتی۔ لیکن دنیا میں

بہت سی چیزیں ایسی ہیں جو تجربے اور مشاہدے میں آتی ہیں، مگر سائنٹفک طریقہ سے یہ بیان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ کیسے رونما ہوتی ہیں۔ اِس طرح کی توجیہ پر اگر ہم قادر نہیں ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اُس چیز ہی کا انکار کر دیا جائے جس کی ہم توجیہ نہیں کرسکتے۔ جادو دراصل ایک نفسیاتی اثر ہے جس نفس سے گزر کر جسم کو بھی اُسی طرح متاثر کرتا ہے جس طرح جسمانی اثرات جسم سے گزر کر نفس کو متاثر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر خوف ایک نفسیاتی چیز ہے، مگر اس کا اثر جسم پر یہ ہوتا ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور بدن میں تھَر تھَری چھوٹ جاتی ہے۔ دراصل جادو سے حقیقت تبدیل نہیں ہوتی، مگر انسان کا نفس اور اس کے حواس اُسے متاثر ہو کر یہ محسوس کرنے لگتے ہیں کہ حقیقت تبدیل ہو گئی ہے۔ حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی طرف جادوگروں نے جو لاٹھیاں اور رّسیاں پھینکی تھیں وہ واقعی سانپ نہیں بن گئی تھیں، لیکن ہزاروں کے مجمع کی آنکھوں پر ایسا جادو ہوا کہ سب نے انہیں سانپ ہی محسوس کیا، اور حضرت موسی تک کے حَواس جادو کی اِس تاثیر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ اِسی طرح قرآن (البقرہ، آیت 102) میں بیان کیا گیا ہے کہ بابل میں ہاروت اور ماروت سے لوگ ایسا جادو سیکھتے تھے جو شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دے۔ یہ بھی ایک نفسیاتی اثر تھا، اور ظاہر ہے کہ اگر تجربے سے لوگوں کو اِس عمل کی کامیابی معلوم نہ ہوتی تو وہ اس کے خریدار نہ بن سکتے تھے۔ بلا شبہ یہ بات اپنی جگہ بالکل درست ہے کہ بندوق کی گولی اور ہوائی جہاز سے گرنے والے بم کی طرح جادو کا مؤثر ہونا بھی اللہ کے اذن کے بغیر ممکن نہیں ہے، مگر جو چیز ہزارہا سال سے انسان کے تجربے اور مشاہدے میں آرہی ہو اس کے وجود کو جُھٹلا دینا محض ایک ہٹ دھرمی ہے۔

اسلام میں جھاڑ پھونک کی حیثیت:

تیسرا مسئلہ اِن سورتوں کے معاملہ میں یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا جھاڑ پھونک کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور یہ کہ جھاڑ پھونک بجائے خود مؤثر بھی ہے یا نہیں؟ یہ سوال اس لیے پیدا ہوتا ہے کہ بکثرت صحیح احادیث

میں یہ ذکر آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر رات کو سوتے وقت، اور خاص طور پر بیماری کی حالت میں معوّذتین، یا بعض روایات کے مطابق مُعوِّذات (یعنی قل ہو اللہ اور معوِّذتین) تین مرتبہ پڑھ کر اپنے دونوں ہاتھوں میں پھونکتے اور سر سے لے کر پاؤں تک پورے جسم پر، جہاں جہاں تک بھی آپ ﷺ کے ہاتھ پہنچ سکتے، انہیں پھیرتے تھے۔ آخری بیماری میں جب آپ ﷺ کے لیے خود ایسا کرنا ممکن نہ رہا تو حضرت عائشہ نے یہ سورتیں (بطور خود یا حضور ﷺ کے حکم سے) پڑھیں اور آپ ﷺ کے دست مبارک کی برکت کے خیال سے آپ ہی کے ہاتھ لے کر آپ کے جسم پر پھیرے۔ اس مضمون کی روایات صحیح سندوں کے ساتھ بخاری، مسلم، نَسائی، ابن ماجہ، ابو داؤد اور مؤطا امام مالک میں خود حضرت عائشہ سے مروی ہیں جن سے بڑھ کر کوئی بھی حضور ﷺ کی خانگی زندگی سے واقف نہ ہو سکتا تھا۔

اِس معاملہ میں پہلے مسئلہ شرعی اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے۔ احادیث میں حضرت عبد اللہ بن عباس کی طویل روایت آئی ہے جس کے آخر میں حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میری امت کے وہ لوگ بلا حساب جنت میں داخل ہوں گے جو نہ داغنے کا علاج کراتے ہیں، نہ جھاڑ پھونک کراتے ہیں، نہ فال لیتے ہیں، بلکہ اپنے رب پر توکل کرتے ہیں (مسلم) حضرت مُغیرہ بن شُعبہ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس نے داغنے سے علاج کرایا اور جھاڑ پھونک کرائی وہ اللہ پر توکل سے بے تعلق ہو گیا (ترمذی)۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ دس چیزوں کو ناپسند فرماتے تھے جن میں سے ایک جھاڑ پھونک بھی ہے سوائے معوّذتین یا معوِّذات کے (ابو داؤد، احمد، نسائی، ابن حِبّان، حاکم)۔ بعض احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں حضور ﷺ نے جھاڑ پھونک سے بالکل منع فرمادیا تھا، لیکن بعد میں اِس شرط کے ساتھ اس کی اجازت دے دی کہ اس میں شرک نہ ہو، اللہ کے پاک ناموں یا اس کے کلام سے جھاڑا جائے، کلام ایسا ہو جو سمجھ میں آئے اور یہ معلوم کیا جا سکے کہ اس میں کوئی گناہ کی چیز نہیں ہے، اور بھروسہ جھاڑ پھونک پر نہ کیا جائے کہ وہ بجائے خود شفا دینے والی ہے، بلکہ اللہ پر اعتماد کیا جائے کہ وہ چاہے گا تو اسے نافع بنا

دے گا۔ یہ مسئلہ شرعی واضح ہو جانے کے بعد اب دیکھیے کہ احادیث اِس بارے میں کیا کہتی ہیں:

طَبرانی نے صغیر میں حضرت علی کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ کو ایک دفعہ نماز کی حالت میں بچھو نے کاٹ لیا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا۔ بچھو پر خدا کی لعنت، یہ نہ کسی نمازی کو چھوڑتا ہے نہ کسی اور کو۔ پھر پانی اور نمک منگوایا اور جہاں بچھو نے کاٹا تھا وہاں آپ نمکین پانی ملتے جاتے تھے اور قل یاایہاالکافرون، قل ہو اللہ احد، قل اعوذ برب الفلق اور قل اعوذ برب الناس پڑھتے جاتے تھے۔

ابن عباس کی یہ روایت بھی احادیث میں آئی ہے کہ نبی ﷺ حضرت حسن اور حضرت حسین پر یہ دعا پڑھتے تھے أُعِيذُكُمَا بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَّهَامَّةٍ وَّمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَّامَّةٍ " میں تم کو اللہ کے بے عیب کلمات کی پناہ میں دیتا ہوں ہر شیطان اور موذی سے اور ہر نظر بد سے" (بخاری، مسند احمد، ترمذی اور ابن ماجہ)۔

عثمان بن ابی العاص الثقفی کے متعلق مسلم، موطا، طبرانی اور حاکم میں تھوڑے لفظی اختلاف کے ساتھ یہ روایت آئی ہے کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے شکایت کی کہ میں جب سے مسلمان ہوا ہوں مجھے ایک درد محسوس ہوتا ہے جو مجھ کو مارے ڈالتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنا سیدھا ہاتھ اُس جگہ پر رکھو جہاں درد ہوتا ہے، پھر تین مرتبہ بسم اللہ کہو اور سات مرتبہ یہ کہتے ہوئے ہاتھ پھیرو کہ اَعُوْذُ بِاللهِ وَقُدْرَتِهٖ مِنْ شَرِّ مَآ اَجِدُ وَاُحَاذِرُ "میں اللہ اور اس کی قدرت کی پناہ مانگتا ہوں اُس چیز کے شر سے جس کو میں محسوس کرتا ہوں اور جس کے لاحق ہونے کا مجھے خوف ہے"۔ موطأ میں اس پر یہ اضافہ ہے کہ عثمان بن ابی العاص نے کہا کہ اس کے بعد میرا وہ درد جاتا رہا، اور اِسی چیز کی تعلیم میں اپنے گھر والوں کو دیتا ہوں۔

مسند احمد اور طحاوی میں طلق بن علی کی روایت ہے کہ مجھے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں بچھو نے کاٹ لیا۔ حضور ﷺ نے مجھ پر پڑھ کر پھونکا اور اس جگہ پر ہاتھ پھیرا۔

مسلم میں ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ نبی ﷺ بیمار ہوئے تو جبریل نے آکر پوچھا "اے محمد کیا آپ بیمار ہو گئے ؟" آپ ﷺ نے فرمایا ہاں۔ انہوں نے کہا بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُّؤْذِيْكَ مِنْ شَرِّ كُلِّ نَفْسٍ اَوْ عَيْنٍ حَاسِدٍ اَللّٰهُ يَشْفِيْكَ بِاسْمِ اللّٰهِ اَرْقِيْكَ "میں اللہ کے نام پر آپ کو جھاڑتا ہوں ہر اس چیز سے جو آپ کو اذیت دے اور ہر نفس اور حاسد کی نظر کے شر سے، اللہ آپ کو شفا دے، میں اس کے نام پر آپ کو جھاڑتا ہوں۔" اسی سے ملتی جلتی رویات مسند احمد میں حضرت عبادہ بن صامت سے منقول ہے کہ حضور ﷺ بیمار تھے۔ میں عیادت کے لیے گیا تو آپ ﷺ کو سخت تکلیف میں پایا۔ شام کو گیا تو آپ ﷺ بالکل تندرست تھے۔ میں نے اس قدر جلدی تندرست ہو جانے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ جبریل آئے تھے اور انہوں نے مجھے چند کلمات سے جھاڑا۔ پھر آپ ﷺ نے قریب قریب اُسی طرح کے الفاظ ان کو سنائے جو اوپر والی حدیث میں نقل کیے گئے ہیں۔ حضرت عائشہ سے بھی مسلم اور مسند احمد میں ایسی ہی روایت نقل کی گئی ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت حفصہ ام المؤمنین کی روایت نقل کی ہے کہ ایک روز نبی ﷺ میرے ہاں آئے اور میرے پاس ایک خاتون شِفا [3] اِن خاتون کا اصل نام لیلیٰ تھا۔ مگر شفا بنت عبد اللہؓ کے نام سے مشہور تھیں۔ ہجرت سے پہلے ایمان لائیں۔ قریش کے خاندان بنی عَدِی سے ان کا تعلق تھا۔ یہ وہی خاندان ہے جس کے ایک فرد حضرت عمرؓ تھے۔ اِس طرح یہ حضرت حفصہؓ کی رشتہ داری ہوتی تھیں نامی بیٹھی تھیں جو نِملہ (ذُباب) کو جھاڑا کرتی تھیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا حفصہ کو بھی وہ عمل سکھا دو۔

مسلم میں عوف بن مالک اشجعی کی روایت ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں ہم لوگ جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے۔ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ اس معاملہ میں حضور ﷺ کی رائے کیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جن چیزوں سے تم جھاڑتے تھے وہ میرے سامنے پیش کرو، جھاڑنے میں مضائقہ نہیں ہے جب تک اس میں شرک نہ ہو۔

مسلم، مسند احمد اور ابن ماجہ میں حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ کہ رسول اللہ ﷺ نے جھاڑ پھونک سے روک دیا تھا۔ پھر حضرت عمر بن حزم کے خاندان کے لوگ آئے اور کہا کہ ہمارے پاس ایک عمل تھا جس سے ہم بچھو (یا سانپ) کاٹے کو جھاڑتے تھے۔ مگر آپ ﷺ نے اِس کام سے منع فرمایا دیا ہے۔ پھر انہوں نے وہ چیز آپ ﷺ کو سنائی جو وہ پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا 'اِس میں تو کوئی مضائقہ نہیں پاتا، تم میں سے جو شخص اپنے کسی بھائی کو فائدہ پہنچا سکتا وہ ضرور پہنچائے۔" جابر بن عبد اللہ کی دوسری حدیث مسلم میں یہ ہے کہ آلِ حزم کے پاس سانپ کاٹے کا عمل تھا اور حضور ﷺ نے ان کو اس اجازت دیدی۔ اس کی تائید مسلم، مسند احمد، اور ابن ماجہ میں حضرت عائشہ کی یہ روایت بھی کرتی ہے کہ حضور ﷺ نے انصار کے ایک خاندان کو ہر زہریلے جانور کے کاٹے کو جھاڑنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ مسند احمد اور ترمذی اور مسلم اور ابن ماجہ میں حضرت انس سے بھی اس سے ملتی جلتی روایات نقل کی گئ ہیں جن میں حضور ﷺ نے زہریلے جانوروں کے کاٹے، اور ذباب کے مرض اور نظرِ بد کے جھاڑنے کی اجازت دی۔

مسند احمد، ترمذی، ابن ماجہ اور حاکم نے حضرت عمیر مولی ابی اللحم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں میرے پاس ایک عمل تھا جس سے میں جھاڑا کرتا تھا۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اسے پیش کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا فلاں فلاں چیزیں اس میں سے نکال دو، باقی سے تم جھاڑ سکتے ہو۔

موطأ میں ہے کہ حضرت ابو بکر اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ وہ بیمار ہیں اور ایک یہودیہ ان کو جھاڑ رہی ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا کہ کتاب اللہ پڑھ کر جھاڑ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اگر توراۃ یا انجیل کی آیات پڑھ کر جھاڑیں تب بھی یہ جائز ہے۔

رہا یہ سوال کہ آیا جھاڑ پھونک مفید بھی ہے یا نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دوا اور علاج سے نہ صرف یہ کہ کبھی منع نہیں فرمایا، بالکہ خود فرمایا کہ ہر مرض کی دوا اللہ نے پیدا کی ہے اور تم

لوگ دوا کیا کرو۔ حضور ﷺ نے خود لوگوں کو بعض امراض کے علاج بتائے ہیں، جیسا کہ احادیث میں کتاب الطب کو دیکھنے سے معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ لیکن دوا بھی اللہ ہی کے حکم اور اذن سے نافع ہوتی ہے، ورنہ اگر دوا اور طبی معالجہ ہر حال میں نافع ہوتا تو ہسپتالوں میں کوئی نہ مرتا۔ اب اگر دوا اور علاج کرنے کے ساتھ اللہ کے کلام اور اس کے اسمائے حسنیٰ سے بھی استفادہ کیا جائے، یا ایسی جگہ جہاں کوئی طبی امداد میسر نہ ہو اللہ ہی کی طرف رجوع کر کے اس کے کلام اور اسماء و صفات سے اِستعانت کی جائے تو یہ مادہ پرستوں کے سوا کسی کی عقل کے بھی خلاف نہیں ہے۔ [؎] مادہ پرست دنیا کے بھی بہت سے ڈاکٹروں نے اعتراف کیا ہے کہ دعا اور رجوع الی اللہ مریضوں کی شفایابی میں بہت کارگر چیز ہے۔ اور اِس کا خود مجھے ذاتی طور پر اپنی زندگی میں دو مرتبہ تجربہ ہوا ہے۔ 1948 میں جب مجھے نظر بند کیا گیا تو چند روز بعد ایک پتھری میرے مثانے میں آکر اَڑ گئی اور 16 گھنٹے تک پیشاب بند رہا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میں ظالموں سے علاج کی درخواست نہیں کرنا چاہتا، تو ہی میرا علاج فرمادے۔ چنانچہ وہ پتھری پیشاب کے راستے سے ہٹ گئی اور 20 برس تک ہٹی رہی، یہاں تک کہ 1968 میں اس نے پھر تکلیف دی اور اس کو آپریشن کر کے نکالا گیا۔ دوسری مرتبہ 1953 میں مجھے گرفتار کیا گیا تو میری دونوں پنڈلیاں کئی مہینے سے داد کی سخت تکلیف میں مبتلا تھیں کسی علاج سے آرام نہیں آرہا تھا۔ گرفتاری کے بعد میں اللہ تعالیٰ سے پھر وہی دعا کی جو 1948 میں کی تھی، اور کسی علاج اور دوا کے بغیر پنڈلیاں داد سے بالکل صاف ہو گئیں۔ آج تک پھر کبھی وہ بیماری مجھے نہیں ہوئی۔ البتہ یہ صحیح نہیں ہے کہ دوا اور علاج کو، جہاں وہ میسر ہو، جان بوجھ کر چھوڑ دیا جائے، اور صرف جھاڑ پھونک سے کام لینے ہی پر اکتفا کیا جائے، اور کچھ لوگ عملیات اور تعویذوں کے مطب کھول کر بیٹھ جائیں اور اسی کو کمائی کا ذریعہ بنالیں۔ اس معاملہ میں بہت سے لوگ حضرت ابو سعید خدری کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں جو بخاری، مسلم، ترمذی، مسند احمد، ابو داؤد اور ابن ماجہ میں منقول ہوئی ہے اور اس کی تائید بخاری میں ابن عباس کی بھی ایک روایت کرتی ہے۔ اس میں یہ بیان ہوا کہ حضور ﷺ نے ایک مہم پر اپنے چند اصحاب کو بھیجا جن میں حضرت ابو سعید خدریؓ بھی تھے۔ یہ حضرات راستہ میں عرب کے ایک قبیلے کی بستی پر جا کر ٹھرے اور انہوں نے قبیلے والوں سے کہا کہ ہماری

میزبانی کرو۔ انہوں نے انکار کر دیا۔ اتنے میں قبیلے کے سردار کو بچھو نے کاٹ لیا اور وہ لوگ اِن مسافروں کے پاس آئے اور کہا کہ تمہارے پاس کوئی دوا یا عمل ہے جس سے تم ہمارے سردار کا علاج کر دو؟ حضرت ابو سعید نے کہا ہے تو سہی، مگر چونکہ تم نے ہماری میزبانی سے انکار کیا ہے اس لیے جب تک تم کچھ دینا نہ کرو، ہم اس کا علاج نہیں کریں گے۔ انہوں نے بکریوں کا ایک ریوڑ (بعض روایات میں ہے کہ ۳۰ بکریاں) دینے کا وعدہ کیا اور حضرت ابو سعید نے جاکر اس پر سورۂ فاتحہ پڑھنی شروع کی اور لعاب دھن اس پر ملتے گئے[۵] اکثر روایات میں یہ صراحت نہیں ہے کہ یہ عمل کرنے والے حضرت ابو سعید تھے۔ بلکہ ان میں یہ صراحت بھی نہیں ہے کہ حضرت ابو سعید خود اس مہم میں شریک تھے۔ لیکن ترمذی کی روایت میں دونوں باتوں کی صراحت ہے۔ آخر کار بچھو کا اثر زائل ہو گیا اور قبیلے والوں نے جتنی بکریاں دینے کا وعدہ کیا تھا وہ لا کر دے دیں۔ مگر ان حضرات نے آپس میں کہا اِن بکریوں سے کوئی فائدہ نہ اٹھاؤ جب تک رسول اللہ ﷺ سے پوچھ نا لیا جائے۔ نہ معلوم اس کام پر اجر لینا جائز ہے یا نہیں۔ چنانچہ یہ لوگ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا عرض کیا۔ حضور ﷺ نے ہنس کر فرمایا "تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ یہ سورۃ جھاڑنے کے کام بھی آسکتی ہے؟ بکریاں لے لو اور ان میں میرا حصہ بھی لگاؤ۔ "

لیکن اِس حدیث سے تعویذ، گنڈے اور جھاڑ پھونک کے مطب چلانے کا جواز نکالنے سے پہلے عرب کے اُن حالات کو نگاہ میں رکھنا چاہیے جن میں حضرت ابو سعید خدری نے یہ کام کیا تھا اور حضور ﷺ نے اسے نہ صرف جائز رکھا تھا، بلکہ یہ بھی فرمایا تھا کہ میرا حصہ بھی لگاؤ، تاکہ اس کے جواز و عدمِ جواز کے معاملہ میں اِن اصحاب کے دلوں میں کوئی شبہ باقی نہ رہے۔ عرب کے حالات اُس زمانے میں بھی یہ تھے اور آج تک یہ کہ پچاس پچاس، سو سو، ڈیڑھ ڈیڑھ سو میل تک آدمی کو ایک بستی سے چل کر دوسری بستی نہیں ملتی۔ بستیاں بھی اس وقت ایسی نہ تھیں جن میں ہوٹل، سرائے یا کھانے کی دوکانیں موجود ہوں اور مسافر کئی کئی روز کی مسافت طے کر کے جب وہاں پہنچے تو سامان خورد ونوش خرید سکے۔ اِن حالات میں یہ بات عرب کے معروف اصولِ اخلاق میں شامل تھی کہ مسافر جب کسی بستی پر پہنچیں تو بستی کے لوگ ان کی میزبانی کریں۔ اِس سے انکار کے معنی بسا اوقات

مسافروں کے لیے موت کے ہوتے تھے، اور عرب میں اِس طرز عمل کو معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اپنے صحابہ کے اِس فعل کو جائز رکھا کہ جب قبیلے والوں نے میزبانی سے انکار کر دیا تھا تو ان کے سردار کا علاج کرنے سے انھوں نے بھی انکار کر دیا، اور اس شرط پر اس کا علاج کرنے پر راضی ہوئے کہ وہ ان کو کچھ دینا کریں۔ پھر جب ان میں سے ایک صاحب نے اللہ کے بھروسے پر سورہٗ فاتحہ اُس سردار پر پڑھی اور وہ اس سے اچھا ہو گیا تو طے شدہ اجرت قبیلے والوں نے لا کر دے دی اور حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اس اجرت کے لینے کو حلال و طیب قرار دیا۔ بخاری میں اس واقعہ کے متعلق حضرت عبد اللہ بن عباس کی جو روایت ہے اس میں حضور صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم کے الفاظ یہ ہیں کہ اِنَّ اِحقَّ ما اخذت علیہ اجراً کتاب اللّٰہِ یعنی بجائے اس کے کہ تم کوئی اور عمل کرتے، تمہارے لیے یہ زیادہ برحق بات تھی کہ تم نے اللہ کی کتاب پڑھ کر اس پر اجرت لی۔ یہ آپ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے اس لئے فرمایا کہ دوسرے تمام عملیات سے اللہ کا کلام بڑھ کر ہے، علاوہ بریں اِس طرح عرب کے اُس قبیلے پر حق تبلیغ بھی ادا ہو گیا کہ انہیں اس کلام کی برکت معلوم ہو گئی جو اللہ کی طرف سے نبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لائے ہیں۔ اِس واقعہ کو اُن لوگوں کے لیے نظیر قرار نہیں دیا جا سکتا جو شہروں اور قصبوں میں بیٹھ کر جھاڑ پھونک کے مطب چلاتے ہیں اور اسی کو انہوں نے وسیلہ ٔ معاش بنا رکھا ہے۔ اس کی کوئی نظیر نبی کریم صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم یا صحابہ و تابعین اور ائمہ ٔ سلف کے ہاں نہیں ملتی۔

سورۃ فاتحہ اور اِن سورتوں کی مناسبت:

آخری چیز جو مُعوِّذتین کے بارے میں قابل توجہ ہے وہ قرآن کے آغاز اور اختتام کی مناسبت ہے۔ اگرچہ قرآن مجید ترتیبِ نزول پر مرتب نہیں کیا گیا ہے، مگر 23 سال کے دوران میں مختلف حالات اور مواقع اور ضروریات کے لحاظ سے نازل ہونے والی آیات اور سورتوں کو رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نے بطورِ خود نہیں بلکہ اُن کے نازل کرنے والے خدا کے حکم سے اُس شکل میں مرتب فرمایا جس میں ہم اب اس کو پاتے ہیں۔ اِس ترتیب کے لحاظ سے قرآن کا آغاز سورہٗ فاتحہ سے ہوتا ہے اور اختتام معوّذتین پر۔ اب ذرا دونوں پر ایک نگاہ ڈال لیے۔ آغاز میں اللہ

رب العالمین، رحمان ورحیم، اور مالک یوم الدین کی حمد وثنا کرکے بندہ عرض کرتا ہے کہ آپ ہی کی میں بندگی کرتا ہوں اور آپ ہی سے مدد چاہتا ہوں، اور سب سے بڑی مدد جو مجھے درکار ہے وہ یہ ہے کہ مجھے سیدھا راستہ بتایئے۔ جواب میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدھا راستہ دکھانے کے لئے اسے پورا قرآن دیا جاتا ہے، اور اس کو ختم اس بات پر کیا جاتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے جو ربُّ الفلق، ربُّ الناس، ملِکُ الناس اور اِلہِ الناس ہے، عرض کرتا ہے کہ میں ہر مخلوق کے ہر فتنے اور شر سے محفوظ رہنے کے لیے آپ ہی کی پناہ مانگتا ہوں، کیونکہ راہ راست کی پیروی میں وہی سب سے زیادہ مانع ہوتے ہیں۔ اُس آغاز کے ساتھ یہ اختتام جو مناسبت رکھتا ہے وہ کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

رکوع۱۶

قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِکِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰہِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ ۬ۙ الۡخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ٪﴿۶﴾

رکوع ۱

اللہ کے نام سے جو رحمان ور حیم ہے۔

کہو، میں پناہ مانگتا ہوں انسانوں کے ربّ، انسانوں کے بادشاہ، انسانوں کے حقیقی معبُود کی 1 اُس وسوسہ ڈالنے والے کے شر سے جو بار بار پلٹ کر آتا ہے2، جو لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ جِنّوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے3۔ ع

سورۃ الناس حاشیہ نمبر: 1 ▲

یہاں بھی سورہ فلق کی طرح اعوذ باللہ کہنے کے بجائے اللہ تعالٰی کو اس کی تین صفات سے یاد کر کے اس کی پناہ مانگنے کی تلقین کی گئی ہے۔ ایک، اس کا ربّ الناس، یعنی تمام انسانوں کا پروردگار و مربی اور مالک و آقا ہونا۔ دوسرے، اس کا مَلِکُ الناس، یعنی تمام انسانوں کا بادشاہ اور حاکم و فرمانروا ہونا۔ تیسرے، اس کا اِلٰہُ الناس، یعنی انسانوں کا حقیقی معبود ہونا۔ (یہاں یہ بات واضح رہنی چاہیے کہ اِلٰہ کا لفظ قرآن مجید میں دو معنوں میں استعمال ہوا ہے: ایک، وہ شے یا شخص جس کو عبادت کا کوئی استحقاق نہ پہنچتا ہو مگر عملاً اس کی عبادت کی جا رہی ہو۔ دوسرا، وہ جسے عبادت کا استحقاق پہنچتا ہو اور جو حقیقت میں معبود ہو، خواہ لوگ اس کی عبادت کر رہے ہوں یا نہ کر رہے ہوں۔ اللہ کے لیے جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے، اسی دوسرے معنی میں ہوا ہے) ان تین صفات سے استعاذہ کا مطلب یہ ہوا کہ میں اُس خدا کی پناہ مانگتا ہوں جو انسانوں کا رب، بادشاہ اور معبود ہونے کی حیثیت سے اُن پر کامل اقتدار رکھتا ہے، جو اپنے بندوں کی حفاظت پر پوری طرح قادر ہے، اور جو واقعی اُس شر سے انسانوں کو بچا سکتا ہے جس سے خود بچنے اور دوسرے انسانوں کو بچانے کے لیے میں اس کی پناہ مانگ رہا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ چونکہ وہی رب اور بادشاہ اور اِلٰہ ہے، اس لیے اس کے سوا اور کوئی ہے ہی نہیں جس سے میں پناہ مانگوں اور جو حقیقت میں پناہ دے بھی سکتا ہو۔

سورۃ الناس حاشیہ نمبر: 2 ▲

اصل میں وَسْوَاسِ الْخَنَّاس کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ وسواس کے معنی ہیں: بار بار وسوسہ ڈالنے والا۔ اور وسوسے کے معنی ہیں: پے در پے ایسے طریقے یا طریقوں سے کسی کے دل میں کوئی بری بات ڈالنا کہ جس کے دل میں وہ ڈالی جا رہی ہو، اُسے یہ محسوس نہ ہو سکے کہ وسوسہ انداز اس کے دل میں ایک بری بات ڈال رہا ہے۔ وسوسے کے لفظ میں خود تکرار کا مفہوم شامل ہے، جیسے زلزلہ میں حرکت کی تکرار کا مفہوم شامل ہے۔ چونکہ انسان صرف ایک دفعہ بہکانے سے نہیں بہکتا بلکہ اسے بہکانے کی پے در پے

کوشش کرنی ہوتی ہے، اس لیے ایسی کوشش کو وسوسہ، اور کوشش کرنے والے کو وسواس کہا جاتا ہے۔ رہا لفظ خنَّاس، تو یہ خُنوس سے ہے، جس کے معنی ظاہر ہونے کے بعد چھپنے یا آنے کے بعد پیچھے ہٹ جانے کے ہیں، اور خنَّاس چونکہ مبالغہ کا صیغہ ہے، اس لیے اس کے معنی یہ فعل بکثرت کرنے والے کے ہوئے۔ اب یہ ظاہر بات ہے کہ وسوسہ ڈالنے والے کو بار بار وسوسہ اندازی کے لیے آدمی کے پاس آنا پڑتا ہے، اور ساتھ ساتھ جب اسے خنّاس بھی کہا گیا تو دونوں الفاظ کے ملنے سے خود بخود یہ مفہوم پیدا ہو گیا کہ وسوسہ ڈال ڈال کر وہ پیچھے ہٹ جاتا ہے اور پھر پے در پے وسوسہ اندازی کے لیے پلٹ کر آتا ہے۔ بالفاظِ دیگر، ایک مرتبہ اس کی وسوسہ اندازی کی کوشش جب ناکام ہوتی ہے تو وہ چلا جاتا ہے، پھر وہی کوشش کرنے کے لیے دوبارہ، سہ بارہ اور بار بار آتا رہتا ہے۔

وَسْوَاسِ الْخَنَّاس کا مطلب سمجھ لینے کے بعد اب اس بات پر غور کرنا چاہیے کہ اس کے شر سے پناہ مانگنے کا مطلب کیا ہے؟ اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پناہ مانگنے والا خود اس کے شر سے خدا کی پناہ مانگتا ہے، یعنی اس شر سے کہ وہ کہیں اس کے اپنے دل میں کوئی وسوسہ نہ ڈال دے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے راستے کی طرف دعوت دینے والے کے خلاف جو شخص بھی لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا پھرے، اُس کے شر سے داعیِ حق خدا کی پناہ مانگتا ہے۔ داعی الی الحق کے بس کا یہ کام نہیں ہے کہ اس کی ذات کے خلاف جن جن لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالے جا رہے ہوں، ان سب تک خود پہنچے اور ایک ایک شخص کی غلط فہمیوں کو صاف کرے۔ اُس کے لیے یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ اپنی دعوت الی اللہ کا کام چھوڑ چھاڑ کر وسوسہ اندازوں کی پیدا کردہ غلط فہمیوں کو صاف کرنے اور اُن کے الزامات کی جواب دہی کرنے میں لگ جائے۔ اُس کے مقام سے یہ بات بھی فروتر ہے کہ جس سطح پر اس کے مخالفین اترے ہوئے ہیں اسی پر خود بھی اتر آئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے دعوت حق دینے والے کو ہدایت فرمائی کہ ایسے اشرار کے شر سے بس

خدا کی پناہ مانگ لے اور پھر بے فکری کے ساتھ اپنی دعوت کے کام میں لگا رہ۔ اِس کے بعد اُن سے نمٹنا تیرا کام نہیں بلکہ رب الناس، ملک الناس اور الہ الناس کا کام ہے۔

اِس مقام پر یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ وسوسہ عملِ شر کا نقطہ آغاز ہے۔ وہ جب ایک غافل یا خالی الذہن آدمی کے اندر اثر انداز ہو جاتا ہے تو پہلے اُس میں برائی کی خواہش پیدا ہوتی ہے، پھر مزید وسوسہ اندازی اُس بری خواہش کو بری نیت اور برے ارادے میں تبدیل کر دیتی ہے۔ پھر اُس سے آگے جب وسوسے کی تاثیر بڑھتی ہے تو ارادہ عزم بن جاتا ہے اور آخری قدم پر پھر عمل شر ہے۔ اس لیے وسوسہ انداز کے شر سے خدا کی پناہ مانگنے کا مطلب یہ ہے کہ شر کا آغاز جس مقام سے ہوتا ہے، اللہ تعالٰی اُسی مقام پر اس کا قلع قمع فرما دے۔

دوسرے لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو وسوسہ اندازوں کے شر کی ترتیب یہ نظر آتی ہے کہ پہلے وہ کھلے کفر، شرک، دہریت، یا اللہ اور رسول سے بغاوت اور اللہ والوں کی عداوت پر اکساتے ہیں۔ اس میں ناکامی ہو اور آدمی دین اللہ میں داخل ہی ہو جائے تو وہ اسے کسی نہ کسی بدعت کی راہ سجھاتے ہیں۔ یہ بھی نہ ہو سکے تو معصیت کی رغبت دلاتے ہیں۔ اس میں بھی کامیابی نہ ہو سکے تو آدمی کے دل میں یہ خیال ڈالتے ہیں کہ چھوٹے چھوٹے گناہ کر لینے میں تو کوئی مضائقہ نہیں، تاکہ یہی اگر کثرت سے صادر ہو جائیں تو گناہوں کا بارِ عظیم انسان پر لد جائے۔ اِس سے بھی اگر آدمی بچ نکلے تو بدرجہ آخر وہ کوشش کرتے ہیں کہ آدمی دینِ حق کو بس اپنے آپ تک ہی محدود رکھے، اُسے غالب کرنے کی فکر نہ کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص ان تمام چالوں کو ناکام کر دے تو پھر شیاطین جن و انس کی پوری پارٹی ایسے آدمی پر پل پڑتی ہے، اُس کے خلاف لوگوں کو اکساتی اور بھڑکاتی ہے، اُس پر گالیوں اور الزامات کی بوچھاڑ کراتی ہے، اسے ہر طرف بدنام اور رسوا کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ پھر شیطان اُس مردِ مومن کو آکر غصہ دلاتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ سب کچھ برداشت کر لینا تو بڑی بزدلی کی بات ہے، اُٹھ اور ان حملہ آوروں سے بھڑ جا۔ یہ شیطان کا آخری حربہ ہے

جس سے وہ دعوت حق کی رہ کھوٹی کرانے اور داعی حق کو راہ کے کانٹوں سے الجھا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ اِس سے بھی اگر داعی حق بچ نکلے تو شیطان اُس کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔یہی وہ چیز ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاہوتا ہے:وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ''اور اگر شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی اکساہٹ محسوس ہو تو اللہ کی پناہ مانگو۔''(الاعراف 200۔ حٰم السجدہ36)وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ، ''کہو: میرے پروردگار! میں شیاطین کی اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔''(المومنون 97)اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ ، ''جو لوگ پرہیز گار ہیں، اُن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ کبھی شیطان کے اثر سے کوئی برا خیال انہیں چھو بھی جائے تو وہ فوراً چونک جاتے ہیں اور پھر انہیں (صحیح راستہ) صاف نظر آنے لگتا ہے۔'' (الاعراف 201)اور اُسی بنا پر جو لوگ شیطان کے اُس آخری حربے سے بچ نکلیں ان کے بارے میں اللہ تعالٰی کا ارشاد ہے:وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ "یہ چیز بڑے نصیبے والے کے سوا کسی کو حاصل نہیں ہوتی"(حٰم السجدہ 35)

اس سلسلے میں ایک بات اور بھی نگاہ میں رہنی چاہیے۔ وہ یہ کہ انسان کے دل میں وسوسہ اندازی صرف باہر سے شیاطین جن و انس ہی نہیں کرتے بلکہ اندر سے خود انسان کا اپنا نفس بھی کرتا ہے۔ اُس کے اپنے غلط نظریات اُس کی عقل کو گمراہ کرتے ہیں۔ اُس کی اپنی ناجائز اغراض و خواہشات اُس کی قوت تمیز اور قوتِ ارادی اور قوتِ فیصلہ کو بدراہ کرتی ہیں۔ اور باہر کے شیاطین ہی نہیں، انسان کے اندر اُس کے اپنے نفس کا شیطان بھی اُس کو بہکاتا ہے۔ یہی بات ہے جو قرآن میں ایک جگہ فرمائی گئی ہے کہ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ (قٓ،16)''اور ہم اُس کے اپنے نفس سے ابھرنے والے وسوسوں کو جانتے ہیں۔''اُسی بنا پر

رسول اللہ ﷺ نے اپنے مشہور خطبہ مسنونہ میں فرمایا ہے: نعوذ باللہ من شرور انفسنا، "ہم اللہ کی پناہ مانگتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں سے۔"

سورۃ الناس حاشیہ نمبر: 3 ▲

بعض اہل علم کے نزدیک ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ وسوسہ ڈالنے والا دو قسم کے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے: ایک جن، دوسرے انسان۔ اس بات کو اگر تسلیم کیا جائے تو لفظِ ناس کا اطلاق جن اور انسان دونوں پر ہو گا۔ وہ کہتے ہیں کہ ایسا ہو سکتا ہے، کیونکہ قرآن میں جب رجال (مردوں) کا لفظ جنوں کے لیے استعمال ہوا ہے، جیسا کہ سورہ جن آیت 6 میں ہم دیکھتے ہیں، اور جب نَفَر کا استعمال جنوں کے گروہ پر ہو سکتا ہے، جیسا کہ سورہ احقاف، آیت 29 میں ہوا ہے، تو مجازاً ناس کے لفظ میں بھی انسان اور جن دونوں شامل ہو سکتے ہیں۔ لیکن یہ رائے اس لیے غلط ہے کہ ناس اور انس اور انسان کے الفاظ لغت ہی کے اعتبار سے لفظ جن کی ضد ہیں۔ جن کے اصل معنی پوشیدہ مخلوق کے ہیں، اور جِن کو جِن اُسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ وہ انسانی آنکھ سے مخفی ہے۔ اُس کے برعکس ناس اور انس کے الفاظ انسان کے لیے بولے ہی اُس بنا پر جاتے ہیں کہ وہ ظاہر اور مرئی اور محسوس ہے۔ سورہ قصص، آیت 29 میں ہے: اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا۔ یہاں آنَسَ کے معنی رَاَی ہیں، یعنی حضرت موسیٰؑ نے "کوہِ طور کے کنارے آگ دیکھی۔" سورہ نساء آیت 6 میں ہے: فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا، "اگر تم محسوس کرو کہ یتیم بچے اب ہوشمند ہوگئے ہیں۔" یہاں اٰنستم کے معنی احْسَسْتُمْ یا رَاَيْتمْ ہیں۔ پس ناس کا اطلاق لغتِ عرب کی رو سے جِنوں پر نہیں ہو سکتا، اور آیت کے صحیح معنی یہ ہیں کہ "اُس وسوسہ انداز کے شر سے جو انسانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے، خواہ وہ جِنوں میں سے ہو یا خود انسانوں میں سے۔" یعنی دوسرے الفاظ میں وسوسہ اندازی کا کام شیاطین جن بھی کرتے ہیں اور شیاطین انس بھی، اور دونوں کے شر سے پناہ مانگنے کی اِس

سورہ میں تلقین کی گئی ہے۔ اس معنی کی تائید قرآن سے بھی ہوتی ہے اور حدیث سے بھی۔ قرآن میں فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا (الانعام،112) اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے لیے شیطان جنوں اور شیطان انسانوں کو دشمن بنادیا ہے جو ایک دوسرے پر خوش آیند باتیں دھوکے اور فریب کے طور پر القا کرتے ہیں۔

اور حدیث میں امام احمد، نسائی اور ابن حبان حضرت ابو ذرؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے۔ فرمایا: ابو ذرؓ تم نے نماز پڑھی؟ میں نے عرض کیا: نہیں۔ فرمایا: اٹھو اور نماز پڑھو۔ چنانچہ میں نے نماز پڑھی اور پھر آکر بیٹھ گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: یا أبا ذرّ، تعوَّذْ باللہِ من شرِّ شیاطینِ الإنس والجن، "اے ابو ذرؓ شیاطین انس اور شیاطین جِن کے شر سے اللہ کی پناہ مانگو۔" میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ﷺ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں؟ فرمایا: ہاں۔